اداریہ

پہلے تو ہمیں یہ شکوہ طالب علموں سے تھا کہ جب وہ اردو زبان و ادب پر کوئی تحقیقی مقالہ، خواہ کسی جریدے کے لیے خواہ ایم اے یا ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سند کے لیے، لکھتے ہیں تو اوّل تو اس میں حوالہ جات/ حواشی کا اہتمام کم ہی کرتے ہیں اور جہاں تہاں کرتے بھی ہیں وہاں اس بات کی رتّی برابر پروا نہیں کرتے کہ حواشی اور محوّلہ اسناد کی فہرست کی پیش کش اور اندراج کا کوئی خاص طریقہ اور اصول بھی ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اب یہ بات طالب علموں سے بڑھ کر بعض نئے محققین اور اساتذہ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس بات کا شدت سے احساس اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مقالہ اردو میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوتا ہے۔ اردو کے لیے موصولہ ان مقالات کو جب تنقیح و معاصر رائے (peer review) کے لیے ماہرین کی خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے تو بیش تر کے بارے میں یہی رائے سامنے آتی ہے کہ ''مقالہ قابلِ اشاعت ہے لیکن حواشی/ مآخذ کی تصحیح اور درست ترتیب کی ضرورت ہے'' یا ''حوالہ جات ناکافی ہیں اور ایک بار حوالہ دے کر متعدد بار استفادہ کیا گیا ہے۔'' بسا اوقات مقالہ نگار سے درخواست کرنی پڑتی ہے کہ وہ محوّلہ کتابوں کی طباعتی تفصیل لکھ بھیجیں کیوں کہ بعض صورتوں میں کتاب یا رسالے کے نام کے ساتھ مقامِ اشاعت اور سالِ اشاعت تک درج کرنے کی زحمت نہیں کی جاتی۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ مقالے کے حواشی اور مآخذ کے بارے میں اتنے بے نیاز ہیں، کیا وہ ان کا حوالہ دینے کا مقصد بھی سمجھتے ہیں؟ اور اگر نہیں سمجھتے تو کیا ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ

انھوں نے اپنے مقالے میں معیاری تحقیق پیش کی ہوگی؟ کیوں کہ تحقیقی کاموں میں حوالہ جات اور اسناد کی درست اور تفصیلی نشان دہی ناگزیر ہوتی ہے نیز ان کی ایک خاص انداز میں ترتیب، پیش کش اور اندراج کی بنیادی اہمیت ہوتی ہے۔ بلکہ ایسے ''مقالہ نگاران'' سے یہ خطرہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ حواشی اور مآخذ سے بے نیازی کے سبب وہ کہیں نادانستہ سرقے (plagiarism) کے مرتکب نہ ہو گئے ہوں۔

''محققین'' کی حوالہ جات کے سلسلے میں بے نیازی کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی اردو تحقیق میں درپیش رہا ہے اور وہ ہے اندراجات کا طریقہ۔ اردو میں تحقیقی مقالات کے ضمن میں حواشی اور مآخذ کی پیش کش کے انداز اور طریقِ اندراج کے ضمن میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ اردو کی کتابیات، فہرستِ کتب اور لائبریری میں اردو کی کتابوں کارڈوں کی تیاری کے ضمن میں بھی یہ سوالات زیرِ بحث رہے ہیں کہ مثلاً مصنف کا نام کیسے لکھا جائے گا؟ القابات یا خطابات مثلاً الحاج، حضرت، مولانا، مولوی کو نام کا حصہ بنایا جائے یا نہیں؟ اور اگر بنایا جائے تو ان کو کہاں لکھا جائے، نام کے شروع میں، درمیان میں یا آخر میں؟ تخلص کا اندراج حوالہ جات میں کیسے ہوگا؟ اردو تحقیق اور کتابیات سازی میں لائبریری سائنس کے اصولوں کے مطابق اندراجات کی اہمیت کا احساس ہم اردو والوں کو بہت بعد میں جاکر ہوا۔ کسی زمانے میں نیشنل بک سینٹر آف پاکستان کے نام سے ایک ادارہ موجود تھا (بعد میں اس کا نام بدلا گیا اور پھر اسے کسی اور ادارے میں ضم کر دیا گیا) اور اس ادارے نے ایک ''جامع فہرستِ مطبوعاتِ پاکستان'' تیار کرنے جیسا اہم کام شروع کیا تھا اور متعدد موضوعات پر کتابوں کی کئی اہم فہرستیں اس ادارے نے شائع کیں جو معلومات کا پیش قیمت خزانہ ہیں (اب تو کمپیوٹر کی وجہ سے بہت آسانی ہوگئی ہے اور ایسی فہرستیں ہمارے قومی اداروں کو بر خط یعنی اون لائن (online) مہیا کرنی چاہییں)۔ ایسی ہی ایک فہرست اس ادارے نے ۱۹۷۳ء میں ''تنقید اور تاریخِ ادب'' کے عنوان سے شائع کی تھی۔ اس کے مرتّب سلیم اختر نے اس کے پیش لفظ میں لکھا تھا:

> مغربی زبانوں میں نام رکھنے کا ایک مخصوص انداز ہے اور ان ہی کی رعایت سے لائبریری کیٹلاگ یا کتابیات میں مصنّفین کے نام درج کیے جاتے ہیں، مثلاً 'ٹی ایس ایلیٹ' کو لائبریری سائنس کے قواعد کی رو سے 'ایلیٹ، ٹی ایس' لکھیں گے۔ لیکن ہمارے نام بالعموم مرکب ہوتے ہیں اس لیے اگر 'الدین، جمیل' لکھیں تو یہ بے معنی اور مضحکہ خیز ہوگا۔ اس قباحت کو رفع کرنے کے لیے [اس کتابیات میں] ناموں کو صحیح صورت میں لکھا ہے البتہ ناموں میں پہلے سیّد، شیخ، مولانا، مولوی، ڈاکٹر، حکیم، پروفیسر، علامہ وغیرہ یا دیگر القابات و خطابات کو نام کے بعد رکھا گیا ہے۔ شعرا کی صورت میں تخلص نام سے پہلے (مثلاً حالی، الطاف حسین) لکھا جا سکتا ہے۔ (ص ۹-۸)

یہ یقیناً اس دور کے لحاظ سے درست بات تھی لیکن بعد ازاں بعض محققین نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ اب چوں کہ حوالہ جاتی کتب یا کتابیات کی اہمیت بین الاقوامی ہوگئی ہے اور خاص طور پر اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے فروغ کے بعد ہر چیز اب برخط یعنی اون لائن ہو رہی ہے لہٰذا اردو زبان و ادب اور اس سے متعلقہ مباحث میں بھی علمی و عالمی ہم آہنگی کی خاطر آخری نام یا خاندانی نام (last name/surname) کو پہلے لکھا جائے۔ اس میں قباحت یہی تھی کہ بعض ناموں مثلاً ''عبداللہ'' یا ''ماہر القادری'' کو توڑنا ممکن ہی نہیں اور بعض صورتوں میں ''سیّد'' خاندانی نام کے طور پر بھی مروّج ہے مثلاً مظفر علی سیّد۔ لہٰذا حواشی اور مآخذ میں ناموں کا اندراج دونوں طریقوں سے ہوتا رہا اور ہم عالمی سطح پر ہم آہنگ کیا ہوتے آپس ہی میں ہم آہنگی نہ رہی۔ البتہ کچھ عرصے قبل بعض بین الاقوامی تحقیقی اداروں اور مطبوعات میں یہ طریقہ رائج ہوا کہ حواشی میں تو نام اپنی اصل شکل میں لکھا جائے یعنی مثلاً ''جمیل جالبی''، لیکن مآخذات کی فہرست میں ''آخری نام پہلے'' (last name first) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ''جالبی، جمیل'' لکھا جائے۔ اس پر پاکستان میں سب سے پہلے لمز (LUMS) کے تحقیقی جریدے بنیاد نے عمل کیا اور اب بعض دیگر تحقیقی رسائل (مثلاً

جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو کے رسالے امتزاج) نے بھی اس پر عمل شروع کیا ہے۔ اس سے آسانی یہ ہوگئی ہے کہ نام دونوں طرح لکھا جا رہا ہے البتہ یہ الجھن موجود ہے کہ بعض ناموں کو توڑنا ممکن ہی نہیں۔

بہرحال، ہم اردو میں بھی اس طریق کار پر عمل کر رہے ہیں اور اب اردو کو ایچ ای سی کے مقرر کردہ معیار/ طریقِ اندراج کے مطابق شائع کیا جا رہا ہے (اس طریقِ اندراج کی تفصیل ہر شمارے میں شائع کی جاتی ہے اور اس شمارے میں بھی شامل ہے)۔ لیکن بعض اہلِ قلم اپنے مقالات میں حواشی اور مآخذ کے ضمن میں اس کی پابندی نہیں کر رہے۔ مقالہ نگاران سے دست بستہ التماس ہے کہ ازراہِ کرم اس کی پابندی کیجیے۔

(ر۔ پ)